

پطرس بخاری

(۱۸۹۸ء - ۱۹۵۸ء)

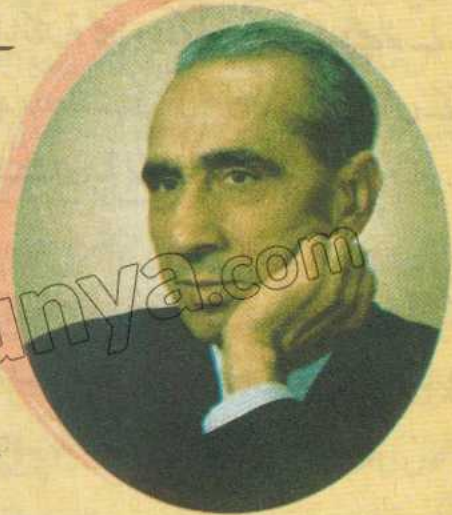
پطرس بخاری اردو ادب کے ممتاز مزاح نگار، ادیب، مترجم اور ریڈیو پاکستان کے نام ور براڈ کاسٹر تھے۔ ان کا اصل نام ”سید احمد شاہ“ تھا لیکن وہ ”پطرس بخاری“ کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنی جائے پیدائش پشاور میں حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی ادب میں ماسٹر کیا اور طلائی تمغا حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کی خاطر انگلستان روانہ ہوئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور جیسے تاریخی ادارے میں انگریزی زبان و ادب کی تدریس کا موقع ملا۔ بعد میں وہ ریڈیو یعنی آواز کی دنیا سے وابستہ ہو گئے اور یہاں اپنی لیاقت اور تجربے کی بنیاد پر ترقی کرتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل کے عہدے تک پہنچے۔

پطرس بخاری ذہین، حاضر جواب اور خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تحریروں اور تقریریں دونوں ہی دل چسپ اور متاثر کن تھیں۔

پطرس بخاری کو مزاح نگاروں کا شہزادہ کہا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں شگفتگی، ظرافت اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ ان کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ”پطرس کے مضامین“ اردو مزاح نگاری کا شاہ کار تصور ہوتا ہے۔ ان کے یہ مضامین بے حد ہلکے پھلکے ہیں جن میں روزمرہ زندگی کے معمولات کو نہایت دل چسپ اور طنز و مزاح کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں میں انگریزی ادب کے اثرات کافی نمایاں ہیں۔

پطرس بخاری کا انتقال ۵ دسمبر ۱۹۵۸ء کو نیویارک، امریکا میں ہوا، جہاں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

پطرس بخاری کی تحریروں، آج بھی اردو ادب کے طلبہ اور قارئین کے لیے بہت خاص ہیں۔ ان کا نام اردو مزاح نگاری کی روایت میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔





سورے جوکل آنکھ میری کھلی



مدرسی مقاصد

- طلبہ کو پطرس بخاری کے مزاحیہ مضامین کی انفرادیت اور اسلوب بیان سے روشناس کرانا
- مزاح کی ادبی اہمیت اور معاشرتی رویتوں پر تنقید کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
- طلبہ میں طنز و مزاح کے ذریعے سے معاشرتی مسائل پر تنقیدی سوچ پیدا کرنا

گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپاشنکر جی برہمچاری سے برسبیل مذاکرہ کر بیٹھے کہ ”لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں، ذرا ہمیں بھی صبح جگا دیا کیجیے۔“ وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے غفلوں کے بھوکے پیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مٹکا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک تو ہم سمجھے کہ عالم خواب ہے۔ ابھی سے کیا فکر، جاگے تو لا حول پڑھ لیس گے لیکن یہ گولہ باری، لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی گئی۔ اور صاحب جب کمرے کے چوبی دروازے لرزنے لگے، صراحی پر رکھا گلاس جل ترنگ کی طرح لپکتا لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا۔ مگر اب دروازہ ہے کہ لگا تار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا میرے آبا و اجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اٹھی ہوگی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں۔۔۔ ”اچھا!۔۔۔ اچھا!۔۔۔ تھینک یو!۔۔۔ جاگ گیا ہوں!۔۔۔ بہت اچھا! نوازش ہے!“ آنجناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا کس آفت کا سامنا ہے؟ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو چلا رہے ہیں؟ اور حضرت عیسیٰؑ بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں ”قُم“ کہہ دیا کرتے ہوں گے، زندہ ہو گیا تو ہو گیا، نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لٹھ لے کے پڑ جایا کرتے تھے؟ تو ہیں تھوڑی داغا کرتے تھے؟ تو بھلا ہم سے کیسے ہو سکتا تھا کہ اُٹھ کر دروازے کی چٹخی کھول دیتے، پیش تر اس کے کہ بستر سے باہر نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بچھانا پڑتا ہے، اس کا اندازہ کچھ اہل ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی، تو طوفان تھا۔

اب جو ہم کھڑی گلی سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں! سوچا کہ آج پتا چلائیں گے، یہ سورج آخر کس طرح سے نکلتا ہے لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اوپر دکان دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبح کا ذب کی جتنی نشانیاں سنی تھیں، ان میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی، تو فکری لگ گئی کہ آج نہیں سورج گرہن نہ ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا، تو پڑوسی کو آواز دی:

”لالہ جی!۔۔۔ لالہ جی!“

جواب آیا، ”ہوں۔“

میں نے کہا: ”آج یہ کیا بات ہے۔ کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے؟“



کہنے لگے، ”تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے؟“

تین بجے کا نام سن کر ہوش گم ہو گئے، چونک کر پوچھا، ”کیا کہا تم نے؟ تین بجے ہیں؟“

کہنے لگے، ”تین۔۔۔ تو۔۔۔ نہیں۔۔۔ کچھ سات۔۔۔ ساڑھے سات۔۔۔ منٹ اوپر تین ہیں۔“

میں نے کہا، ”ارے کم بخت! خدائی فوج دار! بد تمیز کہیں کے! میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا، یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا؟ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے؟ ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے؟ تین بجے ہم اٹھ سکا کرتے تو اس وقت دادا جان کے منظور نظر نہ ہوتے؟ ابے احق کہیں کے! تین بجے اٹھ کے ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں، کوئی مذاق ہے! لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔“

دل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدد و شد و خویر باد کہ دوں لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کا ٹھیکہ کوئی ہمیں نے لے رکھا ہے؟ ہمیں اپنے کام سے غرض۔ لیمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے۔ اور پھر حسب معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح دس بجے اٹھے، بارہ بجے اٹھ کھانا کھا دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو واپس ہاسٹل میں واپس ہوئے۔ ہوش شباب تو ہے اس پر شام کا ارمان انگیز وقت، ہوا بھی نہایت لطیف تھی، طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی، ”مسٹر!“

ہم اس وقت ذرا چنگی بجانے لگے تھے۔ بس انگلیاں وہیں پر رُک گئیں اور کان آوازی کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا: ”یہ آپ کا

رہے ہیں؟“ (زور ”آپ“ پر)

میں نے کہا ”اجی! میں کس لائق ہوں۔ لیکن خیر فرمائیے؟“ بولے، ”ذرا۔۔۔ وہ میں۔۔۔ میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔“

بس صاحب، ہم میں جو موسیقیت کی روح پیدا ہوئی تھی فوراً مر گئی۔ دل نے کہا، ”اونا بکا رانسان! دیکھ پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔“

صاحب، خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ ”خدا یا ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں۔ ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے۔“

آنسو پونچھ کر اور دل کو مضبوط کر کے میز کے سامنے آ بیٹھے، دانت بھیجنے لیے، نکلائی کھول دی، آستینیں چڑھالیں، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ

کریں کیا؟ سالانہ امتحان، سبب، زبردستی ہی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب ان میں سے کون سی پڑھیں؟ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب

سے میز پر لگادیں کہ باقاعدہ مطالعہ کی پکی منزل ملے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سامنے کے مطابق الگ قطار میں کھڑا کر دیا۔ ایک نوٹ پیپر پر ہر ایک کتاب

کے صفحات کی تعداد لکھ کر سب کو جمع کیا، پھر ۱۵۔ اپریل تک کے دن گئے۔ صفحات کی تعداد کو دونوں طرف تقسیم کیا۔ ساڑھے پانچ سو جواب

آیا، لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتاوے کہ صبح تین بجے ہی کیوں نہ اٹھ بیٹھے لیکن کم خوابی

کے طبعی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ کو ملامت کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ تین بجے اٹھنا تو لغو بات ہے البتہ پانچ، چھ، سات بجے کے

قریب اٹھنا معقول ہوگا۔ صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی۔ ہم خرمادہم ثواب!

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اٹھنا ہو تو جلدی ہی سوجھنا چاہیے۔ اٹھنا باہر سے ہی کھا آئے تھے۔ بستر میں داخل ہو گئے۔ چلتے چلتے خیال آیا، کہ لالہ جی سے جگانے کے لیے کہ ہی نہ دیں؟ یوں تو ہماری اپنی قوتِ ارادی کافی زیادہ ہے، جب چاہیں اٹھ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی کیا حرج ہے؟

ڈرتے ڈرتے آواز دی، ”لالہ جی!“

انھوں نے پتھر کھینچ مارا ”یس!“

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں، مثلاً کے درخواست کی کہ ”لالہ جی! صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی، میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل اگر ذرا مجھے چھ بچے یعنی جس وقت چھ بچیں۔۔۔“

جواب نہ ارد۔

میں نے پھر کہا، ”جب چھ بچیں تو۔۔۔ سنا آپ نے؟“

چپ۔

”لالہ جی!“

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا: ”سُن لیا سُن لیا، چھ بچے جگا دوں گا۔ تھری گا بائیس، اور اٹھاپن۔۔۔“

ہم نے کہا، ”ب۔۔۔ب۔۔۔ب۔۔۔ب۔۔۔بہت اچھا۔ یہ بات ہے۔“

تو یہ! خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھ بچے انھوں نے دروازے پر گھونسوں کی بارش شروع کر دی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہو لے تو بس جا گتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ کے بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اس شکل میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کر دی۔

اس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب سے ہیں اور ان کے متعلق روایات میں کی قدر اختلاف ہے۔ بہر حال اس بات کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں، پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کلمہ شہادت بھی پڑھا۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اٹھنے سے پیش تر دیکھنے کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی، پھر کانہیں پتا۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا۔ شاید سر اس میں لپیٹ دیا یا شاید کھانا کہ خدا جانے یا خراٹا لیا۔ خیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیش تر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں ہمارا خیال ہے پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ بہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے، جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا، لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھ دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں؟ لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو، کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سن رہا اور اپنے آپ کو کوستارہا مگر لالہ جی سے ہنس کر باتیں کیں، ان کا شکریہ

ادا کیا۔ اور اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، حد درجے کی طمانیت ظاہر کی کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور روح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ اور دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اٹھتا۔ لالہ جی! صبح کے وقت لا مانغ کیا صاف ہوتا ہے، جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی! خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے یعنی اگر صبح کے بجائے صبح، صبح شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا۔ لالہ جی نے ہماری اس جادو بیانی کی دادیوں دی کہ آپ پوچھنے لگے، ”تو میں آپ کو چھ بجے جگا دیا کروں ناں؟“

میں نے کہا، ”ہاں ہاں، واہ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بے شک۔“

شام کے وقت آنے والی صبح کے مطالعہ کے لیے دو کتابیں چھانٹ کر میز پر علیحدہ جوڑ دیں۔ کرسی کو چار پائی کے قریب سرکالیا۔ اوور کوٹ اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر آویزاں کر دیا۔ کٹھوپ اور دستا نے پاس ہی رکھ لیے۔ دیا سلائی کو تکیے کے نیچے ٹٹولا۔ تین دفعہ آیت الکرسی پڑھی اور دل میں نہایت ہی نیک منصوبے باندھ کر سو گیا۔

صبح لالہ جی کی پہلی دستک کے ساتھ ہی جھٹ آنکھ کھل گئی۔ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ لحاف کی ایک کھڑکی میں سے ان کو ”گڈ مارنگ“ کیا، اور نہایت بیدار آنے لہجے میں کہا، ”لالہ جی! صبح کی طمانیت ہو کر واپس چلے گئے۔“

ہم نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو بہت سراہا کہ کس قدر فوراً ہی جاگ اٹھے۔ دل سے کہا کہ ”دل بھیا! صبح اٹھنا تو محض ذرا سی بات ہے، ہم یوں ہی اس سے ڈرا کرتے تھے۔“

دل نے کہا: ”اور کیا؟ تمہارے تو یوں ہی اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں۔“

ہم نے کہا ”سچ کہتے ہو یا، یعنی اگر ہم سستی اور کسالت کو خود اپنے قریب نہ آنے دیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ ہماری باقاعدگی میں خلل انداز ہوں۔ اس وقت لاہور شہر میں ہزاروں ایسے کاہل لوگ ہوں گے جو، دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کے مزے اڑاتے ہوں گے اور ایک ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے جاگ رہے ہیں۔ بھئی کیا برخوردار سعادت آثار واقع ہوئے ہیں!“

ناک کو سردی سی محسوس ہونے لگی تو اسے ذرا یوں ہی سالخاف کی اوٹ میں کر لیا اور پھر سوچنے لگے۔۔۔ ”خوب! تو ہم آج کیا وقت پر جاگے ہیں۔ بس ذرا اس کی عادت ہو جائے تو باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز بھی شروع کر دیں گے۔ آخر مذہب سب سے مقدم ہے۔ ہم بھی کیا روز بروز الحاد کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں، نہ خدا کا ڈر اور نہ رسول کا خوف۔ سمجھتے ہیں کہ بس اپنی محنت سے امتحان پاس کر لیں گے۔ اکبر بے چارہ یہی کہتا کہتا مگر کیا لیکن ہمارے کان پر جوں تک نہ چلی۔۔۔ (لحاف کانوں پر سرک آیا)۔۔۔ تو گویا آج ہم اور لوگوں سے پہلے جاگے ہیں۔۔۔

بہت ہی پہلے۔۔۔ یعنی کان شروع ہونے سے بھی چار گھنٹے پہلے۔ کیا بات ہے! خداوند، کان والے بھی کس قدر سست ہیں۔ ایک مستعد انسان کو چھ بجے تک قطعی جاگ اٹھنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کان سات بجے کیوں نہ شروع ہوا کرے۔۔۔ (لحاف سر پر)۔۔۔ ”بات یہ ہے کہ تہذیب جدید، ہماری تمام اعلیٰ قوتوں کی بیخ کنی کر رہی ہے۔ عیش پسندی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔۔۔ (آنکھیں بند)۔۔۔ تو اب چھ بجے ہیں تو گویا

تین گھنٹے تو متواتر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ پہلے کون سی کتابیں پڑھیں۔ شیکسپیر یا ورڈز ورڈز؟ میں جانوں شیکسپیر بہتر ہوگا۔ اس کی عظیم الشان تصانیف میں خدا کی عظمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور صبح کے وقت اللہ میاں کی یاد سے بہتر چیز کیا ہو سکتی ہے؟ پھر خیال آیا کہ دن کو جذبات کے محشرستان سے شروع کرنا ٹھیک فلسفہ نہیں۔ ورڈز ورڈز پڑھیں۔ اس کے اوراق میں فطرت کو سکون و اطمینان میسر ہوگا اور دل و دماغ

نیچر کی خاموش دلاویزیوں سے ہلکے ہلکے لطف اندوز ہوں گے۔۔۔ لیکن شیکسپیر۔۔۔ نہیں ورڈز ور تھ۔۔۔ لیڈی میکبیتھ۔۔۔ دیوانگی۔۔۔
بہرہ زار۔۔۔ سنجر سنجر۔۔۔ باد بہاری۔۔۔ صید ہوس۔۔۔ کشمیر۔۔۔ میں آفت کا پر کالہ ہوں۔۔۔

یہ مُعتمہ اب مابعد الطبیعات ہی سے تعلق رکھتا ہے، کہ پھر جو ہم نے لحاف سے سر باہر نکالا اور ورڈز ور تھ پڑھنے کا ارادہ کیا تو وہی دس بج رہے تھے۔ اس میں نہ معلوم کیا بھید ہے!

کان لُج ہال میں لالہ جی ملے، کہنے لگے: ”مسٹر! صبح میں نے آپ کو پھر آواز دی تھی، آپ نے جواب نہ دیا؟“
میں نے زور کا قہقہہ لگا کر کہا، ”اوہو! لالہ جی یاد نہیں۔ میں نے آپ کو گڈ مارنگ کہا تھا؟ میں تو پہلے ہی سے جاگ رہا تھا۔“
بولے، ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن بعد میں۔۔۔ اس کے بعد!۔۔۔ کوئی سات بجے کے قریب، میں نے آپ سے تاریخ پوچھی تھی، آپ بولے ہی نہیں۔“

ہم نے نہایت تعجب کی نظروں سے ان کو دیکھا۔ گویا وہ پاگل ہو گئے ہیں اور پھر ذرا متین چہرہ بنا کر ماتھے پر تیوریاں چڑھائے، غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ایک آدھ منٹ تک ہم اس تعلق میں رہے۔ پھر ایک ایک محجوبانہ اور معشوقانہ انداز سے مسکرا کے کہا، ”ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں اس وقت۔۔۔ اے۔۔۔ اے، نماز پڑھ رہا تھا۔“
لالہ جی مرعوب ہو کر چل دیے اور ہم اپنے زہد و تقویٰ کی تسکینی میں سر نیچا کیے کمرے کی طرف پہلے آئے۔ اب یہی ہمارا روزِ مژدہ کا معمول ہو گیا ہے۔ جاگنا نمبر ایک چھ بجے۔ جاگنا نمبر دو دس بجے۔ اس دوران لالہ جی آواز دیں تو نماز!

(پطرس کے مضامین)

(مشق)

سبق کے متن کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

i مصطفیٰ نے صبح کے وقت جگانے کے لیے کس سے درخواست کی تھی؟

ii ”وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔“ اس جملے میں ”نفلوں کا بھوکا“ سے کیا مراد ہے؟

iii ”پڑوسی کی گولہ باری“ سے کیا مراد ہے؟

iv مصطفیٰ کو پہلی مرتبہ کتنے بجے جگانا پڑا؟

v ”فلسفہ عدم تشدد“ کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

vi مصطفیٰ بھلے آدمیوں کی طرح کس وقت جاگے؟

vii مصطفیٰ نے مطالعے کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا؟

viii مصطفیٰ نے شیکسپیر اور ورڈز ور تھ کی کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟

ix لالہ جی مصطفیٰ سے کس بات پر مرعوب ہو کر چل دیے؟

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

2

”گیدڑ کی موت (کم بختی) آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا (بھاگتا) ہے“: قواعد کی رو سے ہے:

(الف) محاورہ (ب) روزمرہ (ج) مقولہ (د) ضرب المثل

صراحی پر رکھا گلاس بجنے لگا:

(الف) باجے کی طرح (ب) بانسری کی طرح (ج) جھرنے کی طرح (د) جل ترنگ کی طرح

”اس کا اندازہ کچھ اہل ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔“ کے جملے میں ”اہل ذوق“ سے یہاں مراد ہے:

(الف) صبح سویرے جاگنے والے (ب) رات کو سونے والے (ج) موسیقی کا شوق رکھنے والے (د) کاہلی اور سستی برتنے والے

بزرگوں سے جتنی نشانیاں ملتی تھیں:

(الف) چاند گرہن کی (ب) صبح کا ڈوب کی (ج) صبح صادق کی (د) سورج گرہن کی

تین بچے جاگنا بھی کوئی:

(الف) نیک ہے (ب) وقت ہے (ج) سمجھ داری ہے (د) شرافت ہے

صفحوں کی تعداد کو دونوں کی تعداد پر تقسیم کیا، جواب آیا:

(الف) تین سو (ب) چار سو (ج) ساڑھے چار سو (د) ساڑھے پانچ سو

بعد کے واقعات ہیں ذرا:

(الف) غور طلب (ب) توجہ طلب (ج) بحث طلب (د) انصاف طلب

سبق ”سویرے جوکل آنکھ میری کھلی“ کے اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

سبق کے متن کے مطابق صحیح/غلط بیانات کی نشان دہی کریں:

دوسرے دن اٹھتے ہی انھوں نے جھگو ان کا نام لے کر دروازے پر مٹکا بازی شروع کر دی۔ ☐ صحیح ☐ غلط

میں کیا میرے آبا و اجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اٹھی ہوگی۔ ☐ صحیح ☐ غلط

سوچا کہ آج پتا چلائیں گے، یہ چاند اور تارے آخر کس طرح نکلتے ہیں۔ ☒ صحیح ☐ غلط

جوشِ شباب تو ہے ہی اس پر شام کا کیف آفریں وقت۔ ☐ صحیح ☐ غلط

دانت بچھنیچ لیے، نکلانی کھول دی، آستینیں چڑھا لیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کریں کیا! ☐ صحیح ☐ غلط



5

درج ذیل کے معنی و مفہوم لکھیں اور اپنے جملوں میں استعمال کریں:

خدائی فوج دار

ہوش گم ہونا

نابکار انسان

ہم خرم و ہم ثواب

سعادت آثار واقع ہونا

خلل انداز ہونا

جادو بیانی

کم خوابی

6

سبق ”سورے جوکل آنکھ میری کھلی“ میں انگریزی کے جوالفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان کی نشان دہی کرتے ہوئے فہرست بنائیں۔

7

مغربی تہذیب سے رات کو دیر تک جاگنا اور صبح تاخیر سے بیدار ہونے کا کلچر کس طرح ہمارے معاشرے میں داخل ہوا؟ اس عادت کے نقصانات پر بات چیت کریں۔

8

پطرس بجاہی نے اپنے اس مزاحیہ مضمون میں کس طرح نوجوان نسل کی کاہلی، سُستی، مذہب بیزاری وغیرہ جیسی عادات اور ریتوں پر تنقید کی ہے؟

9

مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی لکھیں۔

”لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پیش تر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ نہیں ہمارا خیال ہے پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ بہر صورت یہ نفسیات کا مسئلہ ہے جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتا، لالہ جی نے جگایا ہی دس بجے ہو یا اس دن چھ دیر میں بجے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں۔“

10

درج ذیل پیرا گراف کا بغور مطالعہ کریں اور دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

پاکستان کے ہر خطے میں بے شمار مقامی مشاہیر نے علم و ادب، فن اور سماجی خدمات کے شعبوں میں نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ مثلاً پنجاب سے علامہ اقبالؒ جیسے عظیم شاعر اور مفکر، سندھ سے شہباز قلندرؒ جیسے صوفی بزرگ، بلوچستان سے میر چاکر اعظم رند جیسے تاریخی ہیر و اور خیبر پختونخوا سے خوشحال خان خٹک جیسے عوامی رہنما اور شاعر پیدا ہوئے۔ یہ مشاہیر نہ صرف اپنے علاقوں کا فخر اور سرمایہ ہیں بلکہ پورے ملک کے ثقافتی ورثے کی شناخت بھی ہیں۔ ان کی زندگیوں سے ہمیں عزم و ہمت، محنت اور قومی یک جہتی کا سبق ملتا ہے۔

سوالات

(۱) مشاہیر سے کیا مراد ہے؟

(۲) علامہ اقبالؒ کی وجہ شہرت کیا ہے؟

(۳) خوشحال خان خٹک کون ہیں اور ان کا تعلق کس صوبے سے ہے؟

(۴) مشاہیر کی زندگیوں سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

(۵) پاکستان کے چند اہم مشاہیر کے نام لکھیں۔



ترکیب نحوی

ترکیب نحوی سے مراد کسی جملے کے اجزاء کو الگ الگ کرنا اور ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنا ہے۔ ترکیب نحوی کرتے وقت چند باتیں ذہن میں رکھیں:

- جس جملے کی ترکیب نحوی مطلوب ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس جملے کا مفہوم سمجھتے ہوں۔
- اگر کسی شعر یا شعر کے مصرعے کی ترکیب نحوی کرنی ہو تو پہلے اس شعر مصرعے کو نثر میں تبدیل کریں۔
- پہلے معلوم کیجیے کہ کیا جملہ اسمیہ ہے یا فعلیہ۔ ترکیب نحوی کرنی ہو تو یہ ترتیب ہوگی:

جملہ اسمیہ کی مثال حارث ذہین ہے۔

خبر • ذہین • مبتدا • حارث • فعل ناقص • ہے

جملہ فعلیہ کی مثال احمد نے خط لکھا۔

احمد • فاعل • خط • مفعول • نے • علامتِ فاعل

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ اپنے روزمرہ کے پر لطف واقعات پر مشتمل ایک مختصر مزاحیہ مضمون تحریر کریں اور اپنا استاد میں سنا سکیں۔
- پطرس بخاری کے مضمون ”سویرے جو کل آنکھ میری کھلی“ کے بنیادی موضوع یعنی سستی اور کاہلی پر گروپ کی شکل میں بحث کریں۔
- سبق میں استعمال ہونے والے محاورات، ضرب الامثال اور تراکیب کی فہرست بنائیں اور ان کے متبادل مترادف تجویز کریں۔
- پطرس بخاری کا مضمون ”مرحوم کی یاد میں“ جماعت میں پڑھیں اور اس پر اظہار خیال کریں۔

اشارات تدریس

- مضمون ”سویرے جو کل آنکھ میری کھلی“ کو بھرپور مزاحیہ انداز میں اس طرح پڑھیں کہ طلبہ کے چہروں پر خوش گوار اثرات نظر آئیں۔
- پطرس بخاری اور مشتاق احمد یوسفی کے مزاحیہ اسلوب کا موازنہ کریں۔
- طلبہ کو مضمون کے اہم اور دل چسپ اقتباسات کو کارٹون کی صورت میں ڈیزائن کرنے کی ہدایت دیں۔